(۴۰)

(فرمودہ ۱۷۔ جولائی ۱۹۵۰ء بمقام پارک ہاؤس۔ کوئٹہ)

دنیا میں کئی قسم کے انسان ہوتے ہیں اور مختلف قسم کی طبائع پائی جاتی ہیں۔ کوئی ایسے ہوتے ہیں جن کے دل اتنے سخت ہو چکے ہوتے ہیں کہ غم اور خوشی، نیکی اور بدی اور ترقی اور تنزل کا ان کے دلوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا ان کے لئے عید اور محرم یکساں گذرتے ہیں۔ اگر وہ شیعہ ہیں تو وہ یہ محسوس نہیں کرتے کہ یہ ایام محرم کے ہیں اور اگر سُنّی ہیں تو وہ یہ محسوس نہیں کرتے کہ یہ ایام عید کے ہیں۔ رسماً یا رواجاً اگر کوئی تبدیلی ان کے اندر پیدا ہو جائے تو وہ ان کے بیوی بچوں کی طرف سے ہوتی ہے۔ مثلاً اسے نئے کپڑے پہنا دیئے یا اچھے کھانے کھلا دیئے ورنہ ایسا شخص اپنی ذات میں ہی محو رہتا ہے اور اپنے ارد گرد دیکھنے کا عادی نہیں ہوتا۔ اور کوئی اتنے حساس ہوتے ہیں کہ سال کا سال ان کے لئے محرم کا دن ہوتا ہے یا عید کا دن ہوتا ہے۔ مرنے والے مر رہے ہوتے ہیں اور وہ ہنس رہے ہوتے ہیں۔ ہنسنے والے ہنس رہے ہوتے ہیں اور وہ رو رہے ہوتے ہیں۔ مجھے یاد ہے جب ہم چھوٹے چھوٹے تھے ہمارے ایک مزارع کی بیوی حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے پاس علاج کے لئے آیا کرتی تھی۔ میں ان دنوں حضرت خلیفۃ المسیح الاول سے پڑھا کرتا تھا۔ وہ عورت بلاوجہ ہنستی چلی جاتی تھی اور بلاوجہ روتی چلی جاتی تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول فرمانے لگے۔ آؤ میاں تمہیں اس عورت کی بیماری بتائیں یہ ہسٹیریا کا مرض ہے۔ قریب کے عرصہ میں جب طاعون پڑی تھی اس عورت کے دو تین رشتہ دار مر گئے تھے۔ آپ اسے مخاطب کر کے فرمانے لگے بی بی اس طاعون میں کیا تیرا باپ مرا تھا اس پر وہ قہقہہ مار کر کہنے لگی۔ جی میرا باپ طاعون سے مر گیا تھا دوسرا شاید بھائی یا بیٹا تھا مجھے ٹھیک یاد نہیں رہا اس کے متعلق جب سوال کیا گیا تو اس عورت نے پھر قہقہہ مار کر کہا میرا بھائی یا بیٹا بھی طاعون میں مر گیا ہے۔ تیسرے کے متعلق جب پوچھا تب بھی اس نے قہقہہ مار کر جواب دیا جی وہ بھی مر گیا ہے۔ گویا اس کے سامنے کتنے ہی غم کی بات کرو دوسرے شخص کو اس کے صدمہ پر رونا آ جاتا مگر وہ ہنس دیتی۔ پھر بعض دفعہ انسان ہر بات میں روتا ہے کہیں وہ مہمان

جاتا ہے لوگ اس کی خاطر تواضع کرتے ہیں تو اس کی آواز بھرائی ہوئی ہوتی ہے' لوگ اس کا ادب کرتے ہیں اور اس کی آواز میں لرزش پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو سمجھدار ہوتے ہیں اور سمجھدار ہونے کے لحاظ سے وہ اپنے جذبات کو مناسب موقع پر استعمال کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آگے ان کے جذبات چونکہ بعض مذہبی یا اخلاقی غلطیوں کی وجہ سے مجروح ہوتے ہیں اس لئے ان کے جذبات میں تفاوت نظر آتا ہے۔ ایک شخص کے اندر رحم اور غضب دونوں پائے جاتے ہیں وہ رحم کے موقعوں پر رحم بھی کرتا ہے اور غضب کے موقعوں پر غضب بھی لیکن بعض دفعہ زیادہ مستحق اس کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ مثلاً بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن میں محبت اور قربانی پائی جاتی ہے لیکن وہ اپنی توجہ اور محبت کا مرجع اپنی بیویوں کو بنا لیتے ہیں۔ دوسری طرف مائیں بیٹھی ہوئی ہوتی ہیں لیکن ان کی توجہ ادھر نہیں ہوتی ان کی محبت کے سارے احساسات بیوی کے لئے ہوں گے۔ بیوی بیمار ہوگی تو ان میں غم کے جذبات پائے جائیں گے اور وہ اس کے لئے قربانی بھی کریں گے اور اگر وہ خوش ہوگی تو وہ خوش ہوں گے لیکن اگر ماں کراہ رہی ہوگی تو اس کی خدمت اور قربانی کا جوش ان کے اندر پیدا نہیں ہوگا۔ اور کئی لوگ ایسے ہوں گے کہ ان کے اندر اولاد کی محبت شدت سے پائی جائے گی لیکن اولاد پیدا کرنے والی کو وہ پوچھیں گے بھی نہیں وہ صرف اولاد کو اٹھائے پھریں گے۔ پھر بعض کو بیویوں سے شدید محبت ہوتی ہے اور اولاد سے محبت نہیں ہوتی۔ کوئی اپنے بھائیوں کو بھول جاتا ہے کوئی عائلی محبت کو اتنی ترجیح دیتا ہے کہ وہ خاندان کی عزت کے لئے سب کچھ کر گزرتا ہے وہ اس کے لئے دوسروں کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ غرض جو لوگ صحیح الخیال ہوتے ہیں اخلاقی اور مذہبی کمزوری کی وجہ سے ان کی محبت اور قربانی کے احساسات میں بھی امتیاز پایا جاتا ہے۔ کوئی ایک طرف زیادہ مائل ہو جاتا ہے اور کوئی دوسری طرف۔ مومنوں میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ ان میں کوئی کامل مومن ہوتا ہے اور کوئی ادنیٰ درجہ کا مومن ہوتا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے ایک دفعہ صحابہؓ سے فرمایا آؤ میں تمہیں تین آدمیوں کی ایک مثال بتاؤں تین آدمی ایک پہاڑ پر سے گذر رہے تھے کہ طوفان آیا' بجلی کڑکی اور انہوں نے خیال کیا کہ یہ بجلی کہیں ہم پر نہ گر جائے وہ تینوں ایک غار کے اندر گھس گئے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ وہ بجلی ایک پتھر پر پڑی اور وہ پتھر لڑھک کر غار کے منہ پر آرہا اور وہ اندر بند ہو گئے۔ وہ پتھر سینکڑوں من وزنی تھا جس کا پرے ہٹانا ان تینوں کے بس کی بات نہ تھی۔ باہر ہوتے

تو شاید بجلی گرنے سے ان میں سے ایک یا دو مرتے اب تینوں ہی گویا مرگئے کیونکہ وہ اس غار سے نکل نہیں سکتے تھے۔ کسی گذرنے والے کا اس طرف ذہن بھی نہیں جا سکتا تھا کہ یہ لوگ غار کے اندر پہلے گئے ہیں اور پتھر بعد میں غار کے منہ پر آ گیا ہے تاکہ وہ ان کے بچاؤ کی کوئی تدبیر اختیار کر سکتا۔ وہ تینوں بہت گھبرائے۔ آخر ان میں سے ایک کا ذہن اس طرف گیا کہ آؤ ہم دعا کریں اور ہم میں ہر ایک اپنی کسی نیکی کو جو اس کے ذہن میں سب سے بڑی نیکی ہو اس کا واسطہ دے کر خدا تعالیٰ سے الحاح کرے کہ اے خدا! اگر میں نے وہ نیکی محض تیری رضا کی خاطر کی ہے تو مجھے معاف کر دے اور مجھ پر رحم کرتے ہوئے میرے نجات کی کوئی صورت پیدا کر دے۔ ان تینوں میں سے ہر ایک نے ایک ایک نیکی چُنی اور خدا تعالیٰ کے حضور دعا کی۔ ان میں سے ایک نے کہا اے خدا! تُو جانتا ہے کہ میں غریب ہوں اور چند بکریاں میرے پاس ہیں میں انہیں جنگل میں چرانے لے جاتا ہوں اور شام کو گھر واپس جا کر ان کا دودھ دوہتا ہوں اور وہ دودھ خود بھی پیتا ہوں اور اپنے بیوی بچوں کو بھی پلاتا ہوں۔ انہی بھیڑوں کی اون سے ہم کپڑا بُن لیتے ہیں ان کے علاوہ نہ میری کوئی جائیداد ہے اور نہ میرے پاس کوئی دولت ہے۔ پھر اے خدا! تو نے اس غریب کے ماں باپ کو بھی زندہ رکھا ہے مجھ سے جہاں تک ہو سکا میں نے تیرے اس حکم کو مدنظر رکھا ہے کہ ماں باپ کو اپنے بیوی بچوں پر مقدم رکھو۔ میں اس درجہ کے مطابق ہی ان کی خدمت کرتا رہا ہوں۔ اے خدا! تجھے معلوم ہے کہ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ میں جنگل میں بکریاں چرانے گیا تو شام کو واپس آنے میں دیر ہو گئی میرے بڈھے ماں باپ نیند کی برداشت نہ کر سکے اور وہ سو گئے۔ جب میں گھر پہنچا تو میری بیوی اور میرے بچے منتظر بیٹھے تھے انہوں نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ میری بیوی نے مجھے کہا بچے بھوکے ہیں دودھ دوہ دو تا انہیں پلاؤں۔ میں نے کہا پہلا حق ماں باپ کا ہے پہلے میں انہیں دودھ پلاؤں گا اور پھر تمہاری باری آئے گی۔ اے میرے رب! میں نے دودھ کا پیالہ بھرا اور اپنے ماں باپ کے بستر کے پاس گیا تا انہیں بیدار کر کے دودھ پلاؤں۔ پھر مجھے خیال آیا کہ اگر انہیں جگایا تو انہیں تکلیف ہو گی اس لئے یہ آپ ہی جاگیں گے اور انہیں دودھ پلاؤں گا۔ اے میرے رب! میں ان کے بستر کے پاس کھڑا رہا اور ساری رات گذر گئی میرے بچے بلبلا بلبلا کر سو گئے اور میری بیوی بڑبڑاتی بڑبڑاتی سو گئی کہ کتنا سنگدل انسان ہے کہ بچے بھوک کی وجہ سے بلبلا رہے ہیں اور وہ اس طرف کوئی توجہ ہی نہیں دیتا۔ میرے ماں باپ جب صبح اٹھے تو میں نے انہیں دودھ پلایا اور پھر اپنے

بیوی بچوں کو پینے کے لئے دیا۔ اے میرے رب! اگر میری یہ نیکی صرف تیرے ہی لئے تھی اور اس میں دنیا کی کوئی ملونی نہیں تھی اور میرا یہ عمل محض تیری رضا کے لئے تھا تو میں اس کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ میری نجات کی کوئی صورت پیدا فرما۔ اس نے یہ دعا کی ہی تھی کہ بجلی دوسری بار چمکی اور اس پتھر پر گری جس پر اس کا تیسرا حصہ غار کے منہ سے پرے ہٹ گیا۔ اسی طرح باقی دو نے بھی دعائیں کیں اور ان کی دعا کے نتیجہ میں پتھر کا تیسرا تیسرا حصہ غار کے منہ سے ہٹتا گیا اور آخر غار کا منہ کُھل جانے پر وہ آزاد ہو گئے۔[۱]

میرے مضمون کے ساتھ ان تینوں میں سے صرف پہلے شخص کی دعا کا ہی تعلق ہے۔ لوگوں میں اپنے رشتہ داروں کے لئے محبت اور قربانی کے جذبات بے شک ہوتے ہیں مگر کتنے ہیں جو ماں باپ کی عزت کرتے ہیں۔ بعض تو یہی خیال کرتے ہیں کہ بیوی بچوں کے اخراجات سے کیا کچھ بچتا ہے کہ ماں باپ کو دیا جائے۔ یا پھر افسوس کا اظہار کر دیتے ہیں کہ ہم اپنے ماں باپ کی کچھ خدمت نہیں کر سکے حالانکہ بات معمولی ہوتی ہے صرف نقشہ اُلٹنا ہوتا ہے۔ اگر خدمت کا نقشہ اُلٹ جائے تو اخلاق قائم ہو جائیں۔ مثلاً الف' ب اور ج تین افراد ہیں۔ الف ب کی خدمت کرتا ہے اور ب ج کی خدمت کرتا ہے اور بد اخلاق بنتے ہیں۔ اگر یہ نقشہ اُلٹ جائے کہ ج ب کی خدمت کرے اور ب الف کی خدمت کرے تو خدمت بھی ہو جائے اور اخلاق بھی قائم رہیں۔ صرف ارادہ بدلنے کی دیر ہے اور اگر ارادہ بدل جائے گا تو خدمت ساروں کی ہوتی رہے گی۔ نہ ماں باپ خدمت سے رہ جائیں گے اور نہ بیوی بچے لیکن نقشہ بدل جائے گا۔

غرض انسان کے اخلاق میں مختلف جذبات ہیں لیکن سب اخلاق میں سے جو زیادہ قیمتی ہے وہ خدا تعالیٰ کی محبت ہے۔ ہم دوسری تمام چیزوں کے ساتھ کسی نہ کسی رنگ میں ترجیحی سلوک کر دیتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے متعلق ہمارا سلوک بہت ہی کم ترجیحی ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ زبان پر ذکر بہت ہوتا ہے گو بعض کی زبان پر بھی ذکر نہیں ہوتا لیکن بُہتوں میں ہوتا ہے مگر یہ ذکر بھی زبان تک رہ جاتا ہے نیچے نہیں جاتا۔ جیسے رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں ایک یہودی عالم تھا وہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کی باتیں سنتا رہا۔ باتیں سننے کے بعد اس کے بھائی نے اس سے پوچھا بتاؤ تم نے کیا نتیجہ نکالا ہے۔ وہ کہنے لگا جو باتیں اس نے کی ہیں وہ تو سچی ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئیاں بھی سچی معلوم

ہوتی ہیں لیکن (گلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا) اس کی تعلیم صرف یہاں تک رہ جاتی ہے اس سے نیچے نہیں جاتی اور جب تک میری جان میں جان ہے میں نہیں مانوں گا۔ اس کے بھائی نے کہا میرا بھی یہی خیال ہے۔ [۲] پس بعض چیزیں صرف گلے تک رہ جاتی ہیں نیچے نہیں جاتیں۔ زبان تو اوپر کے حصہ میں ہے دل کے اندر نہیں اس لئے زبان دماغ کے تابع ہوا کرتی ہے۔ انسان باتیں کرتا رہتا ہے اور لوگ دھوکا کھاتے رہتے ہیں۔ زبانیں ایک بات کہتی ہیں لیکن دل اس کی بہت کم اتباع کرتا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا **كَلِمَةُ الْحِكْمَةِ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ اَخَذَهَا حَيْثُ وَجَدَهَا** [۳] بعض دفعہ غیر مومن کی زبان سے بھی حکمت کی بات نکل جاتی ہے لیکن مومن کو یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ یہ حکمت کی بات مومن نے کہی ہے یا کافر نے اسے یہ سمجھنا چاہئے کہ ہر اچھی بات اس کی ملکیت ہے اور جب ہر اچھی بات اس کی ملکیت ہے تو وہ جہاں کہیں بھی اسے پائے اسے حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ یہ کہاں کی عقل ہے کہ حکمت کی بات الف نے کی لیکن ب کہتا ہے کہ میں یہ حکمت کی بات نہیں لیتا۔ تمہاری بکری کوئی دوسرا چھین لیتا ہے تو وہ تم واپس لے لیتے ہو لیکن حکمت کا کلمہ جو اس سے بھی زیادہ قیمتی ہے وہ نہیں لیتے۔ **كَلِمَةُ الْحِكْمَةِ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ اَخَذَهَا حَيْثُ وَجَدَهَا** فرمایا حکمت کی جو بات ہوتی ہے وہ مومن کی ملکیت ہے حکمت کی بات اگر اسے کسی کافر کے پاس سے بھی مل جائے تو وہ اسے چھوڑا نہیں کرتا گویا جہاں بھی اسے کوئی کلمہ حکمت ملتا ہے وہ لے لیتا ہے۔ میں جب انگلینڈ گیا [۴] تو کسی انگریز نے مجھے ایک کتاب بطور تحفہ دی۔ وہ کتاب کسی امریکن شاعرہ کی تھی ایک دن ہم بیٹھے ہوئے تھے۔ میری ایک بیوی بھی میرے پاس تھیں۔ مجھے خیال آیا کہ کسی نے یہ کتاب مجھے بطور تحفہ دی ہے میں اسے پڑھ ہی لوں۔ چنانچہ میں نے وہ کتاب پڑھی۔ اس کافرہ کے منہ سے مومنانہ باتیں نکلی ہوئی تھیں۔ وہ شاعرہ نظم میں اگلے جہان کا نقشہ اس طرح پیش کرتی ہے کہ گویا قیامت کا دن آگیا ہے اور خدا تعالیٰ کے سامنے سوال و جواب ہو رہا ہے۔ کچھ لوگ خدا تعالیٰ کے سامنے آئے اور انہوں نے موتیوں اور ہیروں اور اشرفیوں کے ڈھیر اس کے قدموں میں ڈال دیئے۔ اسی طرح وہ اور بھی کچھ مادی چیزیں بیان کرتی ہے اور کہتی ہے میں ایک گوشہ میں کھڑی حیران تھی کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں میری باری آئے گی تو میں خدا تعالیٰ کو کیا تحفہ دوں گی۔ آخر یہ سارے کے سارے لوگ جب چلے گئے تو مجھے آواز آئی کہ آگے آؤ۔ میں خدا تعالیٰ کے حضور حاضر ہوئی اور اس کے

قدموں میں روتی ہوئی گر گئی۔ میں نے کہا اے اللہ! میرے پاس سوائے ان چند آنسوؤں کے اور کچھ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اوپر اٹھالیا اور کہا میرا سب سے قیمتی تحفہ آج کے یہ آنسو ہیں۔ ۵؎ یہ کلمہ حکمت تھا جو ایک عیسائی عورت کے منہ سے نکلا۔ ایک عیسائی کی فطرت بھی خدا تعالیٰ نے ہی پیدا کی ہے اور کبھی کبھی وہ اپنے احساسات اور جذبات سے آزاد ہو کر فطرت کی طرف لوٹتا ہے اور جب وہ فطرت کی طرف جاتا ہے تو وہ ویسا ہی ہمارے قریب ہوتا ہے جیسے ایک مومن۔ اور فطرت کے نوروں کو پڑھتا ہے اور ان نوروں کو سامنے لا کر رکھ دیتا ہے۔ مجھے یہ واقعہ پڑھے ۲۶ سال کے قریب گزر گئے ہیں۔ مگر اب بھی اس بات کا مجھ پر گہرا اثر ہے کہ اس عورت نے کیسی لطیف بات کہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو انسان کے تعلقات ہیں وہ مقدم ہیں اور انہیں مقدم رکھنا چاہئے۔ افسوس ہے کہ اب بہت کم انسان ہیں جو انہیں مقدم رکھتے ہیں یا حقیقی طور پر انہیں مقدم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ [۶] یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال خرید لئے ہیں اور انہیں جنت دے دی ہے۔ پس یہاں تحفہ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ایک سودا ہے جو خدا سے ہوا اور جس کے بدلہ میں اس نے مومنوں کو جنت دے دی۔ امریکن شاعرہ نے جو بات کہی ہے وہ صرف فطرت تک رسائی رکھنے کی وجہ سے اس کی زبان سے نکلی ہے مگر قرآن کریم دل کی بات کہتا ہے۔ اس عورت نے یہ محسوس کیا کہ خدا تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہو کر طاقتور نے اپنی طاقت پیش کر دی' مالدار نے اپنی دولت پیش کر دی لیکن میرے پاس سوائے چند آنسوؤں کے پیش کرنے کے کچھ بھی نہیں۔ لیکن قرآن کریم کہتا ہے یہ تو ایک سودا ہے ہم اسے تحفہ نہیں کہہ سکتے۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے پاس اپنی بھینس ۲۰۰ روپیہ پر بیچ دے اور خریدار ۲۰۰ روپے کی رقم بیچنے والے کی بیوی کو دے کر کہے کہ اپنے خاوند کو کہنا کہ فلاں شخص یہ تحفہ دے گیا ہے تو کتنی احمقانہ بات ہوگی۔ وہ ۲۰۰ روپیہ تو بھینس کی قیمت ہے وہ تحفہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ اسی طرح قرآن کریم کہتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ خدا تعالیٰ نے تمہارے جان و مال خرید لئے ہیں اور وہ اس کے بدلہ میں تمہیں جنت دے گا گویا یہ مال و جان جنت کی قیمت ہے اور اسے تحفہ وہی شخص کہہ سکتا ہے جو کہہ دے کہ میں جنت میں نہیں جاتا۔ اگر کوئی شخص یہ

کہنے کے لئے تیار ہو کہ میں جنت میں نہیں جاتا تو ایک حد تک اس کا یہ حق ہو گا کہ وہ انہیں تحفہ کہہ سکے گو غالب والی بات پھر بھی آ جائے گی کہ

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی!
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا ہے

وہ جان جو ہم نے خدا تعالیٰ کے حضور پیش کی وہ کیا تھی؟ خدا تعالیٰ کی ہی دی ہوئی تھی پھر اس کی دی ہوئی چیز کو واپس کر کے ہم نے کونسا احسان کیا ہے۔ مگر جہاں تک سودا کا سوال ہے اور جہاں تک قرآن کریم کی آیت بتاتی ہے یہ صاف بات ہے کہ ہمارے جان و مال کے بدلہ میں ہم نے جنت لے لی تو پھر کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے جان و مال تحفہ میں دیئے ہیں۔ وہ تو بطور قیمت دیئے گئے ہیں اور جو چیز بطور قیمت دی جائے وہ تحفہ نہیں کہلا سکتی۔ درحقیقت تحفہ وہی ہے جو اس عورت نے پیش کیا اس کے اندر جو عشق الٰہی کی گرمی تھی اور جو آنسو اس نے بہائے تھے وہی اصل تحفہ تھا کیونکہ خدا تعالیٰ کے سامنے پیش کی جانے والی چیز وہی محبت ہے جو انسان کی خدا تعالیٰ کے عشق میں گداز کر دیتی ہے اور گرمی کی وجہ سے دل کی رطوبت گیس بن کر اُڑتی اور آنسو بن کر ٹپک پڑتی ہے۔ لیکن یہ آنسو بھی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ہر آنسو قبول نہیں ہوتا جیسے ہر موتی سچّا نہیں ہوتا' ہر چمکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی' ہر پھل کی شکل رکھنے والی چیز کھانے کے قابل نہیں ہوتی۔ پھل مٹی کے بھی بنائے جاتے ہیں اور گلے سڑے بھی پھل ہوتے ہیں۔ پھر چمکنے والی چیز ملمّع کی بھی ہوتی ہے۔ اسی طرح آنسو حقیقی بھی ہوتے ہیں اور مصنوعی بھی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ آنکھوں سے بہنے والا آنسو صرف دنیا کو دکھانے کے لئے ہے یا اس کی بے خودی کی علامت ہے۔ جب ایک چمکنے والی ہنڈیا سے بخار تیزی سے نکلتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ڈھکنا بخارات کو روک نہیں سکتا۔ مگر کبھی تم خود بھی پانی کا لوٹا اپنے ہاتھ سے بہاتے ہو اور جب تم پانی کا لوٹا بہاتے ہو تو اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ لوٹا اس پانی کو روک نہیں سکتا بلکہ تم خود اسے بہاتے ہو۔ لیکن جب بخارات زور سے ہنڈیا سے باہر نکلتے ہیں اور ڈھکنا پرے پھینک دیتے ہیں تو تم کہتے ہو ڈھکنا بخارات کو روک نہیں سکتا۔ اس پانی میں جو تم دیدہ دانستہ بہاتے ہو اور ان بخارت میں جو خود بخود ڈھکنا پرے پھینک کر نکل آتے ہیں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ تو تم کام اس لئے بھی کرتے ہو کہ لوگ تم کو اچھا سمجھیں مگر جو کام خود بخود اچھا ہو جاتا ہے اس میں تصنّع اور فریب نہیں ہوتا۔

جنگ بدر میں جب کافر روٴسا کافی تعداد میں مارے گئے تو مکہ میں کوئی ایسا خاندان نہ رہا کہ جس کا کوئی نہ کوئی لیڈر یا رئیس نہ مارا گیا ہو۔ مکہ کے لوگ ڈرے کہ اگر یہ خبر عرب میں پھیل گئی تو ان کا وقار قائم نہیں رہے گا۔ انہوں نے واپس جاتے ہی یہ فیصلہ کیا کہ کوئی شخص اپنے مرنے والے رشتہ داروں پر ماتم نہ کرے اور نہ بَین ڈالے تاکہ جب لوگ باہر سے آئیں تو وہ یہ محسوس نہ کر سکیں کہ انہیں کوئی صدمہ پہنچا ہے لیکن دلوں میں تو آگ لگی ہوئی تھی۔ کسی کا ایک ہی بیٹا تھا اور وہ جنگ بدر میں مارا گیا' کسی کے دو ہی بیٹے تھے اور وہ مارے گئے اور پھر ان کی موت پر آنسو بہانے کا بھی حکم نہیں تھا بلکہ ماتم کرنے والے کے لئے ۱۰۰ اونٹ کی سزا مقرر تھی۔ ایک اونٹ کی قیمت اس زمانہ کے لحاظ سے اگر تیس روپے بھی فرض کرلی جائے تو ایک سو اونٹ کی قیمت تین ہزار روپے ہو جاتی ہے جو اس وقت کے لحاظ سے ایک بڑی رقم تھی۔ سب لوگ اپنا جوش دبائے بیٹھے تھے۔ ایک رئیس جس کے دو بیٹے مارے گئے تھے وہ سارا دن اندر بیٹھا روتا رہتا تھا لیکن عرب میں چونکہ بَین ڈالنے کا رواج تھا اس لئے اس کی آگ بجھتی نہیں تھی۔ وہ سمجھتا تھا کہ میں اکیلا رو رہا ہوں اور دوسرے لوگوں میں سے کوئی شخص بھی میرا ساتھ نہیں دیتا۔ کیا میرے بچے اتنے ہی ذلیل تھے کہ آج ان پر میرے سوا اور کوئی نہیں روتا۔ روتے روتے اس کی بینائی بھی جاتی رہی۔ ایک دن کسی شخص کا اونٹ مر گیا وہ غریب آدمی تھا اور وہی اونٹ اس کی جائیداد تھی۔ اس نے ہودج سر پر رکھا اور مکہ کی گلیوں میں سے گزرتا ہوا یہ شعر پڑھتا چلا جاتا تھا کہ ہائے میرا اونٹ مر گیا۔ میرا اونٹ کتنا ہی اچھا تھا۔ وہ یہ شعر پڑھتا ہوا رئیس کے دروازے کے آگے سے بھی گذرا۔ اس رئیس نے جب یہ آواز سُنی تو اس سے برداشت نہ ہو سکا اس نے دروزاہ کھول دیا اور چیخ مار کر کہنے لگا کہ اس شخص کو اپنے اونٹ پر رونے کی اجازت ہے لیکن مجھے ان بیٹوں پر رونے کی اجازت نہیں جو مکہ کی عزت تھے۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ تمام عورتیں باہر نکل آئیں اور مکہ میں ایک ماتم برپا ہو گیا۔ تاوان وہیں کا وہیں رہ گیا اور انہوں نے اپنی قوم کے فیصلہ کی کوئی پروانہ کی۔ [۸]

غرض جو چیز آپ ہی آپ نکل آتی ہے اس کو روکا نہیں جا سکتا لیکن جو نکالی جاتی ہے وہ روکی جا سکتی ہے۔ تم ایک انجن کی آگ کو اونچا نیچا کر سکتے ہو لیکن ایک آتش فشاں پہاڑ کی آگ کو دبانا تمہارے بس کی بات نہیں۔ تم چھڑکاوٴ کرتے وقت مشک کے پانی کو اونچا نیچا کر سکتے ہو لیکن بادلوں سے گرنے والے پانی کو تم تھام نہیں سکتے۔ تم پنکھے کی ہوا کو اونچا نیچا کر سکتے ہو مگر

چلتے ہوئے طوفانوں کو قابو میں نہیں لا سکتے۔ جو جوش خود بخود نکلتا ہے وہ ایسا طوفان ہے جو بند نہیں کیا جا سکتا وہ ایسی آگ ہے جس کو کوئی شخص دبا نہیں سکتا' وہ ایسی بارش ہے جس کو تھاما نہیں جا سکتا اور یہی وہ تحفہ ہے جو انسان خدا تعالیٰ کو دے سکتا ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ تو ایک سودے کی چیز ہے اور کیا ہی بے شرمی ہے کہ ہم اس کا نام تحفہ رکھیں۔ پھر سودے میں بھی ہم پوری قیمت ادا نہیں کرتے اس میں بھی خدا تعالیٰ کا پلہ بھاری ہوتا ہے۔ انسان کہتا تو ہے کہ میں نے قیمت ادا کر دی ہے لیکن دیتا بہت قلیل رقم ہے لیکن اللہ تعالیٰ زبان نہیں کھولتا وہ اسے یاد نہیں کراتا۔ جس طرح لوگ سلائی کی مشینیں قسطوں پر لے لیتے ہیں اسی طرح خدا تعالیٰ نے بھی اپنے بندوں کو اپنی جنت قسطوں پر دے رکھی ہے۔ لیکن انسانوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو پوری اقساط ادا کر کے مرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کبھی بھی یہ نہیں کہتا کہ چونکہ تم نے پوری قسطیں ادا نہیں کی تھیں اس لئے میں تمہیں جنت کیسے دوں۔ اس کا یہ احسان ہے کہ وہ بغیر قسط ادا کئے اپنے بندوں کو جنت میں داخل کر دیتا ہے اور انسان کی یہ بے شرمی ہے کہ وہ کہے کہ یہ میرا تحفہ ہے۔ تحفہ کیا اس نے تو پوری قیمت بھی ادا نہیں کی۔ تحفہ وہ عشق اور آگ ہے جو اللہ تعالیٰ کی یاد میں انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے اور جو اللہ تعالیٰ کو وہ بطور تحفہ پیش کرتا ہے وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اسے خدا تعالیٰ کی محبت کا حقدار سمجھا جائے۔

دنیا میں ہر خوشی کے موقع پر غمگین آدمی کے دل میں ایک ٹیس اٹھتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی شادی ہو رہی ہو لوگ اکٹھے ہو کر ایک دوسرے کو گلے مل رہے ہوں تو یہ نظارہ دیکھ کر ایک عورت جس کا بیٹا یا بھائی گم ہو گیا ہو رو پڑتی ہے اور اسے اپنا گم شدہ بھائی یا بیٹا یاد آ جاتا ہے۔ وہ خیال کرتی ہے کہ کاش میرا بھی بھائی یا بیٹا موجود ہوتا تو میں بھی اس سے گلے ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری شریعت میں ہر خوشی کے موقع پر خدا تعالیٰ نے نماز مقرر کر دی ہے۔ جمعہ کا دن چھٹی کا ہوتا ہے اس دن اجتماعی نماز رکھ دی۔ جمعہ کی نماز میں اگرچہ دو رکعت فرض ہی ہوتے ہیں۔ مگر اس کی تیاری میں زیادہ وقت صرف ہوتا ہے اور نماز ظہر کی نسبت جمعہ کی نماز کے لئے قربانی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ پھر عیدیں آتی ہیں ان میں بھی خدا تعالیٰ نے نماز مقرر کر دی جس میں اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے اگر تمہارے دل میں خدا تعالیٰ کی سچی محبت اور عشق ہے تو جب ایک دوست دوسرے دوست سے ملے گا اس سے مصافحہ یا معانقہ کرے گا تو اس کے اندر ایک ٹیس بھی اٹھے گی کہ میں زید اور بکر اور خالد کو مل رہا ہوں مگر افسوس کہ میں اپنے اصل

مقصود کو جو خدا تعالیٰ ہے نہیں مل رہا۔ پس عشق کے ہوتے ہوئے خوشی کی کوئی تقریب ایسی نہیں ہوتی جو غم نہ بن جائے۔ عشق کے ہوتے ہوئے خوشی کی تقریب کا غم نہ بن جانا ایک ناممکن امر ہے۔ جس ماں کا بچہ گم ہو گیا ہو ہر نیا بچہ جو اس کے ہاں پیدا ہوتا ہے اسے دیکھ کر وہ رو پڑتی ہے۔ اس کے خواہ دس بچے بھی ہو جائیں اس کی تسلی نہیں ہوتی۔ جب پوچھو کہ تمہارے ہاں دسواں بچہ پیدا ہوا ہے کیا اب بھی تم روتی ہو؟ تو وہ کہے گی مجھے اپنا گُم شدہ بچہ یاد آ گیا تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے [۹] مگر جب تک یوسف نہیں ملا ان کے گیارہ بیٹے گیارہ خوشیاں نہیں تھیں بلکہ ان کے لئے ایک رنگ میں غم کا باعث تھے اور باری باری جب انہیں نظر آتے تو حضرت یوسف علیہ السلام یاد آ جاتے اور ان کا دل غم سے بھر جاتا اور ان کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آتے [۱۰] کیونکہ گم شدہ بچہ ہمیشہ یاد آتا ہے لیکن مرنے والا یاد نہیں آتا۔ مرنے والے پر چند دن رو کر انسان چُپ کر جاتا ہے لیکن کھویا ہوا بچہ ساری عمر یاد آتا رہتا ہے۔ گزشتہ فسادات [۱۱] میں جن ماؤں کے بچے ادھر ادھر رہ گئے تھے ان میں سے بعض میرے پاس دعا کے لئے آتی ہیں تو ان کے یہی الفاظ ہوتے ہیں کہ دعا کریں یا تو اس کا پتہ لگ جائے کہ وہ کہاں ہے اور یا یہ پتہ لگ جائے کہ وہ مر گیا ہے اگر مر گیا ہے تو پھر خدا تعالیٰ کے ساتھ اس کا واسطہ ہو جائے گا۔

غرض جب کوئی محبوب چُھٹا ہوا ہو تو خوشی کی تقریب بھی غم بن جاتی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی محبت دل میں موجود ہے تو بندے کی بھی یہی حالت ہونی چاہئے اسی لئے اس خوشی کے موقع پر خدا تعالیٰ نے نماز رکھ دی جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہم خوشی منا رہے ہیں حالانکہ ہمیں اصل خوشی حاصل نہیں اس لئے آؤ اب ہم کچھ رو بھی لیں اور خدا تعالیٰ کے حضور گریہ و زاری کر لیں کیونکہ بعض دفعہ اس طرح بھی انسان کے اندر روحانیت پیدا ہو جاتی ہے۔

(الفضل ۷۔ مارچ ۱۹۶۲ء)

---

[۱] صحیح بخاری کتاب الاجارۃ ۔ باب من استاجر اجیرا فترک اجرہٗ

[۲] اس واقعہ سے ملتا جلتا واقعہ السیرۃ الامام ابن ہشام الجزء الاول صفحہ ۱۸۵ پر بیان ہوا ہے۔

[۳] ترمذی ابواب العلم باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ۔ سنن ابن ماجہ

باب الحکمة

۴ ۱۹۲۴ء کے سفر انگلستان کی طرف اشارہ ہے۔

۵ Mrs.E.W.Wilcox ۱۸۵۵ء۔۱۹۱۹ء

۶ **التوبة:۱۱۱**

۷ دیوانِ غالب صفحہ ۷۴ مطبوعہ مکتبہ جدید لاہور ۱۹۶۰ء

۸ تاریخ لابن اثیر ۲/ ۵۴ تاریخ طبری ۲/ ۲۶۳ **السیرة الامام ابن ہشام الجز الثانی** صفحہ ۴۶۔۴۷

۹ **یوسف :۵**۔ تفسیر در منثور (آیت ہذا) جلد ۴ صفحہ ۴

۱۰ **یوسف :۸۵** تا ۸۷

۱۱ ۱۹۴۷ء میں تقسیم برصغیر کے بعد کے خونی فسادات کی طرف اشارہ ہے۔